ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.5 No.2 2022

نیلم احمد بشیر کے افسانوں میں بچوں کے کردار: سماجی اور نفسیاتی مطالعہ

CHILDREN'S CHARACTERS IN THE FICTIONS OF NEELAM AHMED BASHIR: A SOCIAL AND PSYCHOLOGICAL STUDY

*اِشراع ارشد
پی ایچ۔ڈی اسکالر، شعبہ اُردو، جی سی یونیورسٹی، لاہور
**ڈاکٹر نسیمہ رحمٰن
ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ اُردو، جی سی یونیورسٹی، لاہور

ABSTRACT:
Neelam Ahmad Bashir is a renowned short story writer & Novelist. She depicts and portrays those social aspects, norms and reasons which harmly damage a child's personality, character and psychology in her short stories. She speaks and raises voice against 'Child Labour', 'Child Abuse', 'Child Expoliation' and Misbehavie with children. She spent a long period of her life in American. She describes the social pressures and hatred which Pakistani children bears over their after 9/11 as a second citizen and as a Muslim. The sad and painful thing is that these religious leaders seek refuge in religion to hide their internal filth and impurity and often succeed.

Key Words: *Short Stories, Neelam Ahmad Bashir, Child Labour, Child Abuse, Child Expolitation, impurity*

اُردو کے افسانوی ادب میں ایک اہم نام نیلم احمد بشیر کا ہے۔ جنھوں نے عہد حاضر کی خواتین افسانہ نگاروں نیلوفر اقبال، طاہرہ اقبال، فرحت پروین میں اپنی تخلیقی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے ہمیں ایسے افسانوی کرداروں سے شناسائی کروائی ہے جو معاشرے میں غربت وافلاس، طبقاتی تقسیم وتضاد، ملکی وغیر ملکی تارکین وطن کے مسائل، عورتوں سے بدسلوکی، زیادتی، جنسی ونفسیاتی ٹارچر کو برداشت کرتے، کچلے ہوئے، پسے ہوئے کردار ہیں۔ انہی کرداروں میں بچوں کے کردار بھی شامل ہیں۔ بچے جو معصومیت کا مرقع ہوتے ہیں اور معاشرے میں اپنے اردگرد موجود لوگوں کی ہوشیاری وچالاکی سے ناواقفیت رکھتے ہیں۔ ان کے ساتھ جو ظلم روا رکھا جاتا ہے اس پر نیلم احمد بشیر نہایت بیباکی سے قلم اٹھاتی ہیں کہ افسانہ میں ان کی ادبی تربیت جن قد آور شخصیات نے کی ہے ان میں ان کے والد احمد بشیر کے علاوہ ممتاز مفتی، اشفاق احمد، بانو قدسیہ اور قدرت اللہ شہاب شامل ہیں۔ ان میں سے سب سے زیادہ دلی وابستگی نیلم کی ممتاز مفتی سے رہی وہ خود لکھتی ہیں:

> "میرے سب سے زیادہ دل کے قریب ممتاز مفتی چاچا ہی ٹھہرے۔ جب سے آنکھ کھولی تبھی سے مفتی چاچا کو یوں اپنی فیملی کی زندگی میں اہم، اور موجود، اردگرد چھایا ہوا پایا۔۔۔ مفتی چاچا کی محبت میں، میں بھی اسی طرح گرفتار ہوئی جس طرح ہمارے خاندان کی ہر لڑکی ایک خاندانی روایت کے طور پر ہونا فرض سمجھتی ہے، ضروری جانتی ہے۔ اسی طرح ابا کے اور بہت سے لکھاری دوست جو ادبی دُنیا کے Giants تصور کیے جاتے ہیں ہمیشہ سے میرے مامے چاچے رہے ہیں۔" (۱)

ایم اے نفسیات کرتے ساتھ امریکہ بیاہ کر چلی گئیں۔ چودہ سال کی قید بامشقت کہ وہ نیلم جیسی ہر دم متحرک رہنے والی، رنگوں، خوشبوؤں، تتلیوں کی دیوانی لڑکی لیے قید ہی تھی، نے اس کے اندر تلخیوں کو بھر دیا۔ انہی تلخیوں کے زہر کو اس نے اپنے افسانہ کے تاروپود میں سمو دیا ہے۔

ڈاکٹر سعادت سعید رقمطراز ہیں:

> "نیلم احمد بشیر نے انفرادی تجربوں کو اجتماعی حقائق کے روپ میں اُجاگر کرنے کے لیے جو کشٹ اُٹھائے ہیں ان کا قلم ان کی گواہی ہے۔" (۲)

بشیر احمد سے وراثت میں ملنے والی تخلیقی اپج کو زمانے کی بھٹی نے کندن کر دیا۔ نیلم احمد بشیر کا تخلیقی اور ذہنی سفر بتدریج عُروج کی طرف گام زن ہوتا ہے۔ بعینہٖ ان کے افسانوی کردار پروان چڑھتے ہیں۔ بالخصوص، نیلم کے افسانوں میں بچوں کے کردار اسی ذیل میں آتے ہیں۔ بچوں کے یہ کردار نہ صرف آس پاس سے اُٹھائی گئی زندہ کہانیوں کے زندہ کردار ہیں بلکہ ان کے خدوخال میں ہمیں اپنے معاشرہ کے نقوش دکھائی دیتے ہیں۔ ان کرداروں کے ذریعے ہمیں انسانی بربریّت، جہالت، جبر، تعصّب، افلاس، منافقت اور ناانصافی کی تصویریں ملتی ہیں۔ ان سچائیوں میں تلخی کا ذائقہ بھی موجود ہے۔ ہمیں ایسے کردار بھی ملیں گے جو انسان دوستی کے پردے میں انسانی رُوح کو گھاؤ لگانے کا کام بھی کرتے ہیں۔

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.5 No.2 2022

ان کرداروں کے پس منظر اور پیش منظر میں ہمیں نیلم احمد بشیر کا بچپن اور زمانہ کا تسلسُل بھی ملتا ہے جیسا کہ ایک جگہ خُود لکھتی ہیں:

"انہی پیدل چلنے والے بچوں میں کبھی مَیں خود بھی نظر آنے لگتی ہوں۔" (۳)

نیلم نے امریکہ میں خاندانی اقدار سے عاری مُعاشرہ میں بچوں اور ماں باپ کو ایک دُوسرے کے لیے بوجھ بنتے دیکھا، نیپال میں افلاس زدہ بستیاں دیکھیں، نائن الیون میں ورلڈ ٹریڈ سنٹر سے اُٹھتے دھوئیں کے آگے کھڑی تیرہ سالہ امریکن بچی کی چیخیں سُنیں، جس کی ماں جلتی ہوئی عمارت میں گم ہو چکی تھی۔ امریکی باپ کا سگی بیٹی سے جنسی استحصال، غریب باپ کا معصوم بچوں کو روزی کمانے کے لیے استعمال اور ذلّت اور محرومی کے تھپیڑے کھاتے بچے اور بچیاں، نیلم احمد بشیر کے مشاہدہ، تجربہ اور دردمندی کے تجربات کا حصّہ ہیں۔ بقول نیلم احمد بشیر:

"مَیں تو ایک عام عورت، ماں ہوں جسے انتقام اور خُون خرابے سے کوئی دلچسپی نہیں۔ مگر زیادتی اور بے انصافی سے نفرت ضرور ہے۔ مجھے اپنے اور دُنیا کے بچوں کے لیے امن اور سکون سے بھرے ہوئے صاف ستھرے دِن چاہئیں۔" (۴)

سکون اور راحت کی چھایا سے محروم بچوں کے یہ پسے ہوئے کردار نہ صرف نیلم احمد بشیر کی دردمندی کے مستحق ہیں بلکہ طبقاتی تقسیم کے خلاف افسانہ نگار کے احتجاج کی آواز بھی ان کے حق میں سنائی دیتی ہے۔ وہ احتجاج جو بچپن ہی سے نیلم کی شخصیت کا حصّہ تھا، وُہ نیلم جو مکّھی تک مارتے وقت ہاتھ ہلکا رکھتی۔ وہ نیلم جس کے لیے گدھے پر گاڑی بان کے ہنٹر کا ظلم بھی ناقابلِ برداشت تھا، ایسی نیلم بچوں کے دُکھ درد اور سرِ عام قتل سے کیسے بے نیاز رہ سکتی۔ لہٰذا نیلم احمد بشیر نے اِن کرداروں کے توسّط سے بچوں پر ظلم و ستم کے مختلف موضوعات کے تحت، دوہرے معیارِ زندگی پر طنز کے نشتر چلائے ہیں۔

زاہدہ حنا کے بقول:

"اس کے پاس موضوعات کی کمی نہیں۔ وہ لفظوں کو برتنے، کرداروں کی کتر بیونت اور انھیں کہانی کے سانچے میں سموئے کا سلیقہ رکھتی ہے۔" (۵)

نیلم احمد بشیر کے افسانوں میں مشرق و مغرب دونوں دُنیاؤں کے بچوں کے معاشرتی، معاشی نفسیاتی اور کرداری تصویریں نظر آتی ہے۔

بچوں اور بچیوں کے ساتھ زیادتی اور جنسی تشدد معاشرے میں پھیلتی بے راہ روی، ذہنی و جذباتی خلفشار و آزار اور لا قانونیت کی بدولت ہے۔ مغربی معاشرے میں تو ایک عرصہ سے بچوں بچیوں کے ساتھ زیادتی کے واقعات منظرِ عام پر آتے رہتے تھے۔ مگر اب پاکستانی معاشرہ میں بھی ان واقعات کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ نیلم ان کچلے مسلے ہوئے پھولوں کا نوحہ اپنے کئی افسانوں میں روتی ہیں۔ "بس کا پیالہ" کی بلوری توسیرے باپ کی جیب بھرنے کے لیے روز شیشوں کی سیج پر لیٹ کر خود کو سانپ سے مسکراتے ہوئے ڈسواتی ہے۔ پھر یہ سانپ انسانی شکل اختیار کر لیتے ہیں اور شیشوں کی سیج پھولوں سے لد جاتی ہے مگر اب ان سانپوں کا زہر بدن کے ساتھ ساتھ روح کو بھی اَن مٹ زخموں سے نوازتا ہے۔

افسانہ "شمیم اور نسیم" کی دو بچیاں شمیم اور نسیم بظاہر تو عام بچیوں کی طرح اسکول جاتی، ہنستی کھیلتی، گیت گاتی نظر آتی ہیں مگر رات کی تاریکی پھیلتے ہی شاہی محلہ میں پیدا ہونے کا خراج بھرتی ہیں ان کی ماں خود خون آشام بھیڑیوں کو ان کا خون پسینے اور گوشت بھنبھوڑنے کے لیے ان کے سوئے ہوئے وجود کے پاس لاتی ہے اور پسند آجانے پر اطمینان سے رخصت ہو جاتی ہے۔ شاید وہ جانتی ہے کہ اس بدنام زمانہ محلہ میں پیدا ہونے والی بچیوں کی قسمت میں لکھنا پڑھنا، نئے زمانے کے تقاضے سیکھنا تو لکھ دیا گیا ہے مگر اس کی قیمت بہت بھاری ادا کرنی ہی پڑے گی انہیں کہ اس سے چھٹکارا ممکن نہیں ہے۔

"یکدم فریم میں کچھ نئے کردار دکھائی دیئے۔ اکڑے ہوئے سفید شلوار قمیض اور واسکٹ میں ملبوس دو معزز بھیڑیئے کمرے میں داخل ہوئے۔ لمبی خوفناک تھوتھنیوں والے، پلے پلائے لمبے تڑنگے حیوان سوتی ہوئی لڑکیوں کے قریب آکھڑے ہوگئے۔ لڑکیوں کی ماں بھی پیچھے ہی چلی آئی تھی۔ اس نے انہیں اشارہ کیا تو وہ چار پائیوں کی پائنتیوں پر بیٹھ گئے اور لڑکیوں کے بازو ہلا ہلا کر انہیں جگانے کی کوشش کرنے لگے۔۔۔ ماں نے کمرے کا دروازہ بند کر دیا اور باہر چلی گئی۔ ایک بھیڑیئے نے اُٹھ کر اندر سے کنڈی لگالی اور تہی گل کر دی۔" (۶)

کمسن بچیوں کے ساتھ زیادتی، بدفعالی، چھیڑ چھاڑ، نوچنا کھسوٹنا، سینے اور کولہوں پر ہاتھ مارنا، راہ چلتے چھونا، آوازیں کسنا، غلیظ جملے چست کرنا، اس قدر جنسی ہراساں کرنا کہ وہ گھر سے نکلنا بند کر دیں۔ انہیں شدید خوفزدہ کر دینا۔ یہ ہمارے معاشرے کے ذہنی اور جنسی بیمار مردوں کے کام ہیں۔ بدقسمتی سے ان بیمار مردوں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہوتا جارہا ہے اور ان کے ہاتھوں اذیت اُٹھانے والی بچیاں بھی بڑھتی جارہی ہیں۔ مگر ان کی بڑی تعداد کو عزت کا ڈراوا دے کر اپنے ساتھ بیتی جانے والی بپتا کو بتانے کی بھی اجازت نہیں چلتی۔ بچپن کے یہ تلخ کسیل دھوئیں جیسے یہ واقعات ان بچیوں کی ساری زندگی کو کالا کر کے رکھ دیتے ہیں ان کی روح میں پنجے

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.5 No.2 2022

گاڑ دینے والا عفریت کی شکل رکھنے والا خوف ان کی شخصیت کو مسخ کر کے رکھ دیتا ہے۔ ایسی ہی کہانی "گلابوں والی گلی" میں بیان کی گئی ہے۔ جہاں ایک ذہنی و جنسی بیمار سائیکل سوار معصوم ذکیہ کے نوخیز جسم کی حرمت پامال کرتا ہے اور پھر کچھ دن کے وقفے سے رانی کے معصوم ذہن کی معصومیت تار تار کر دیتا ہے۔

"۔۔۔ یکدم ذکیہ نے جو کنارے پر چل رہی تھی ایک دلدوز چیخ ماری۔ اسی لمحے اس کی کاپیاں کتابیں زمین پر جا گریں اور سر پہ لیا ململ کا سفید سوتی دوپٹہ ڈھلک گیا۔ چیتے کی سی تیزی کے ساتھ، پیچھے سے آنے والے ایک سائیکل سوار نے اس پھرتی کے ساتھ ذکیہ کے سینے پر جھپٹا مارا تھا جیسے کوئی بھوکی چیل ہوا میں اُڑتے اُڑتے صدقے کے گوشت کی بوٹی جھپٹ لینے کو داؤ مارتی ہے، پکڑنی کی کوشش کرتی ہے۔" (۷)

"سامنے سے آنے والی بے شکل ہیت نے اپنے آپ کو یوں ایکسپوز کر رکھا تھا کہ وہ ایک مافوق الفطرت عجیب و غریب انسان نما جانور دکھائی دے رہا تھا۔ اپنے مکروہ ننگے پن کی نمائش کر کے وہ یوں فخریہ انداز میں پاس سے گذر گیا کہ جس طرح یہی اس کی مردانگی کا ثبوت اور دلیل ہو۔۔۔ امتحانی کمرے میں پہنچنے کے بعد بھی رانی آپا کی ہچکیاں تھمنے کا نام نہیں لے رہی تھیں۔ ٹیچروں نے بہتیرا پوچھنا چاہا مگر رانی آپا گم صم رہیں۔ کچھ نہ بتا سکیں روتے روتے پرچہ دیا۔" (۸)

بچیوں کی ساتھ ساتھ اب تو کمسن لڑکے بھی ان ذہنی جنسی بیمار مردوں کے ظلم کا شکار ہونا شروع ہو چکے ہیں۔ افسانہ "زر قوم" کا ننھا عبد الغفور اللہ کے گھر، رمضان کے بابرکت مہینے میں آخری روزے کی افطاری کے بعد مولوی صاحب کے ظلم و بربریت کا شکار ہو جاتا ہے۔ اس کا مزدور باپ اور ماں شیخ صاحب کے گھر نیاز کی دیگیں پکانے اور لنگر تقسیم کرنے جاتے ہوئے اسے مولوی صاحب کے پاس چھوڑ جاتے ہیں۔

وہ مولوی صاحب کو ہدیتاً سوات کے خوبصورت بگو گوشوں سے بھرا تھیلا بھی دیتے ہوئے خصوصی دُعا کی درخواست کرتے ہیں۔ مگر روزی کمانے کے چکر میں وہ عبد الغفور کو بھول جاتے ہیں اور رذیل مولوی اس کمسن خوبصورت بچے کو بگو گوشہ سمجھ کر ہی ہڑپ کر جاتا ہے وہ نہ صرف اس کے ساتھ زیادتی اور بد فعلی کا مرتکب ہوتا ہے بلکہ اس کا گلا گھونٹ کر اس کو ابدی نیند بھی سلا دیتا ہے اور انہی بگو گوشوں کے تھیلے میں بند کر کے پنکھے سے لٹکا دیتا ہے۔ اور تسلی سے اذان دے کر نماز بھی کرواتا ہے مولوی حشمت نے ننھے سے خوبصورت، بھرے بھرے معصومیت سے مہکتے وجود کو اتنا قریب پایا تو انہیں لگا کہ جیسے وہ بھی ایک رسیلا، تر و تازہ بگو گوشہ ہو۔۔۔ ان کا پورا جسم یوں تن گیا جیسے اس میں کوئی سما گیا ہو اور وہ اس کے آگے بے بس اور بے اختیار ہو رہے ہو۔۔۔ اف کیا ذائقے دار پھل تھا۔ وہ ندیدوں کی طرح اسے پورا ہی ہڑپ کر گئے۔ ساتھ ساتھ ان کی زبان سے یہ کلمات بھی نکلتے رہے:

"بد معاش، بے ایمان، تو میرا ایمان خراب کرنے آیا تھا۔ اچھا؟" ۔۔۔ طوفان تھم گیا تھا۔ نوچا، گھسوٹا، بے جان بدن، اب بے معنی ہو چکا تھا۔" (۹)

دکھ اور اذیت کی بات تو یہ ہے کہ یہ مذہب کے علمبردار مولوی اپنے اندر کی غلاظت اور تعفن کو چھپانے کے لیے بھی مذہب ہی کی پناہ ڈھونڈتے ہیں اور اکثر کامیاب بھی ہو جاتے ہیں۔ "زر قوم" کا مولوی بھی اپنے ظلم کی وجہ یہ بتاتا ہے کہ وہ شیطان کے بہکاوے میں آ گیا تھا۔

"دیکھئے جناب، رمضان المبارک ختم ہو گیا ہے۔ شیطان اب آزاد ہے۔ آپ کو تو پتہ ہی ہے کہ وہ کتنا طاقتور اور سرکش ہے۔ اس کی زور آوری کے آگے بھلا مجھ جیسے زور ملوک بندے کی کیا طاقت ہے۔ سچ پوچھیں تو مجھے تو خود سمجھ نہیں آیا کہ ہوا کیا ہے۔ مجھے تو ہوش ہی نہیں تھا۔ سمجھیں نا۔" (۱۰)

نیلم احمد بشیر کے افسانوں میں ہر طبقے اور معاشرے (مشرقی، مغربی) کے بچوں کے ساتھ ہونے والی زیادتی کی تصاویر ملتیں ہیں۔ وہ پاکستانی معاشرے کے امیر ترین بزنس ٹائیکون کے بچے ہوں جن کا سارا دن ڈرائیوروں، نوکروں، آیاؤں کے ساتھ گذرتا ہے۔ ان کے ہاتھوں میں وہ اپنی معصومیت بھی کھو بیٹھتے ہیں۔ انہی بچوں میں سے ایک بچہ "مفلس" کا 'عام' بھی ہے۔ جو ماں باپ کی سوشل ایکٹویز کی وجہ سے نظر انداز ہوتا ہے۔ وہ معصوم اپنے گھر کے نوکروں کے ساتھ سارا دن تنہا رہتا ہے کہ باپ دو جمع دو چار کی دوڑ میں سرپٹ دوڑ رہا ہے اور ماں اس جمع ہونے والی دولت کی نمائش سے دوسروں کی ستائش سمیٹنے میں مصروف عمل ہے۔ ایسے میں عامر کی تربیت و تعلیم کی ہوش اور وقت کس کے پاس ہے۔ اسی لیے وہ کلاس دوئم کا طالب علم اتنی سی عمر میں دوسرے بچے بچیوں کے ساتھ غلط حرکات کرتا ہوا پکڑا جاتا ہے۔

مغربی معاشرے میں سگے رشتوں کی بچیوں کے ساتھ زیادتی مار پیٹ اور تشدد ایک عام سی بات سمجھا جاتا ہے۔ "ٹرک آر ٹریٹ" (Trick or Treat) کی میشل جو ایک عیسائی خاندان سے تعلق رکھتی ہے۔ نوجوانی کی حدود کو چھوتی ہوئی خوبصورت حسین بچی ہے۔ مگر اس کے حسن کو خود اس کا سگا باپ پامال کر دیتا ہے۔ وہ اسے نجانے کئی بار اپنی بربریت کا نشانہ بناتا ہے کہ وہ اس کے بچے کی ماں بن جاتی ہے۔ اس پر ستم یہ کہ اسے ڈرا تا دھمکاتا اور اپنی ماں کو لاعلم رکھنے پر بھی پابند رکھتا ہے۔ حقیقت کھلنے پر اس کی ماں اس کے باپ کو قتل کر کے اسے اس عذاب سے نجات دلا دیتی ہے۔ مگر میشل اب چمکتی دمکتی روشنی بکھیرتی میشل نہیں رہتی ہے۔

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.5 No.2 2022

"انتظار بہار" کی "روتھ" بھی کم سنی میں جسم بیچنے پر مجبور ہے۔ وہ امریکہ میں نیو یارک سٹی جیسے ترقی یافتہ ملک کی پیداوار ہے۔ مگر اس کی ماں پیٹ کے کینسر سے مر گئی ہے اب اسے اپنے پیٹ کا الاؤ خود بجھانا ہے۔ اور اس الاؤ کو بجھانے کے لیے اس کے پاس صرف اپنے جسم کا ایندھن دستیاب ہے۔ اسی لیے وہ نیو یارک کی بدنام زمانہ سٹریٹ فارٹی سکینڈ سٹریٹ پر اس ایندھن کا دام لگوانے کے لیے لوگوں کو متوجہ کرنے کی کوشش میں مصروف نظر آتی ہے۔

"سنیئے! کیا آپ کے پاس ٹوٹے ہوئے فنٹی سینٹ ہوں گے؟"

اس لڑکی نے اونچی اونچی ہیل والے نوکیلے سینڈل پہن رکھے تھے۔ بالوں کو پنک ہیئر سٹائل میں ترشوار کھا تھا مگر اس کے چہرے سے بچپن کی معصومیت غائب تھی اس کے سرخ منی سکرٹ اور سیاہ تنگ سویٹر میں سے اس کے خوبصورت جسم کی بھرپور نمائش ہو رہی تھی شاید ان کپڑوں کا مقصد بھی یہی تھا۔" (۱۱)

بچوں اور بچیوں سے جبری مشقت لینا انہیں گھروں میں کام کاج کے لیے رکھنا، سارے دن کی مشقت کی مزدوری بھی بے حد معمولی دینا، مارنا پیٹنا، جنسی طور پر ہراساں کرنا معاشرے میں بے حد عام ہوتا جا رہا ہے۔

شہر اور ملک میں کیا موضوعات، کیا خبریں گرم ہیں سیاسی صورتِ حال کیسی ہے؟ ان سب سے ان کا کوئی تعلق واسطہ نہیں ہوتا ہے۔ افسانہ "کاغذ کے پرزے" میں کاغذ چننے والا ننھا بچہ بھی الیکشن کے زمانے میں سیاسی پارٹیوں کے درمیان زور پکڑنے والی لڑائی سے قطعی بے خبر ہے۔ وہ خوش ہے تو صرف اس بات پر کہ آج کل اسے شہر میں بے شمار رنگ برنگے کاغذ چننے کو مل جاتے ہیں جنھیں بیچ کر وہ اچھے پیسے کما لیتا ہے۔

نیلم احمد بشیر نے دوسرے ممالک میں رہائش پذیر پاکستانیوں کے مسائل اور ان کے بچے جو آدھے تیتر آدھے بٹیر کی تفسیر نظر آتے ہیں کی ذہنی و نفسیاتی تصویر کشی ہے۔ یہ بچے دو معاشرت میں بٹ جاتے ہیں۔ وہ امریکا کے پیدائشی ہوتے ہوئے بھی اس قوم کا حصہ نہیں رہتے ہیں۔ ان کی ذات خلا میں معلق رہتی ہے۔ "ہست نیست" کا علی اور شجر سایہ دار کے چنو اور منو بھی ایسی ہی مثالیں ہیں۔

"مگر مام، میں تو امریکن بارن ہوں۔ مجھ میں اور ان میں کیا فرق ہے؟"۔۔۔ مام یہ ڈیم امریکن اتنے متعصب، تنگ نظر اور تھڑ دلے ہیں۔۔۔ آخر سب مسلمان تو دہشت گرد نہیں۔ ہم امن پسند ہیں۔ کیا U.S.A میرا ملک نہیں ہے؟ مام آپ لوگوں نے مجھے یہاں کیوں پیدا کیا۔

Where do I belong Mom?۔ نہ میرا رنگ گوروں کی طرح سفید ہے نہ کالوں کی طرح سیاہ۔" (۱۲)

مذہب کے نام پر دہشت گردی میں بھی ان معصوم روحوں کا بہیمانہ استعمال کیا جاتا ہے۔ غریب گھروں کے بھوک سے بلکتے ننھے بچوں کو جہاد کے نام پر ان کے والدین سے الگ کر کے ان کی ذہن سازی کی جاتی ہے۔

غریب گھروں کے بچے مہنگائی کے اس دور میں اپنے والدین کا ہاتھ بٹانے کی خاطر دوسروں کے گھروں میں محنت مزدوری کرنے پر مجبور ہیں۔ گاؤں کے لوگ شہروں کے کئی پوش گھروں میں اپنے چھوٹے بچوں اور بچیوں کو گھر کی مالکن کے ساتھ گھر ہستی کے امور میں یا اس کے بچوں کی پرورش میں اس کی مدد کروانے کے لیے ایک معقول تنخواہ پر چھوڑ آتے ہیں۔ غریب کمسن بچے نہ صرف اپنے گھر، گھر والوں سے دوری کا عذاب برداشت کرتے ہیں بلکہ مالکن کی ڈانٹ ڈپٹ، مار پیٹ کے ساتھ ساتھ دوسرے نوکروں کے مظالم اور جنسی ہراسگی بھی سہتے ہیں۔ "کالی دھوپ" کی امروزہ اور شیری بھی ایسی ہی بچیاں ہیں جو دوسروں کے گھروں میں مزدوری کرتے کرتے اسی گھر کے سربراہ کی زیادتی کا شکار ہو جاتیں ہیں۔ اس پر ظلم یہ کہ ان کی عصمت پر لگے اس داغ کو رویوں کے پیوند سے ڈھانپ دیا جاتا ہے۔

بچوں سے محنت مزدوری صرف گھروں میں کام کاج کے ذریعے ہی نہیں لی جاتی بلکہ سڑکوں پر ردی کاغذ بھی یہی معصوم پھول چنتے ہیں۔ ایسے میں وہ کن حقائق زمانہ سے روشناس ہوتے ہیں ان کا بیان الگ ہے۔ وہ سڑکوں پر لوگوں کی ہتک، نفرت بے حسی کا شکار ہوتے ہیں۔

""ادھر آ! کہاں مر جاتا ہے! میرے ساتھ رہا کر۔"

بوڑھی افغان دادی نے اپنے سات آٹھ سالہ پوتے کو کوڑے کے ڈھیر میں سے ایک ٹوٹا ہوا کھلونا چنتے ہوئے دیکھ کر آواز دی۔

"آج کل کتنے اچھے دن ہیں۔ ٹھیک ٹھاک دیہاڑی لگ جاتی ہے۔ دو سو روپے من کے حساب سے کاغذ فن کر لے جاؤ تو پچاس ساٹھ تو بن ہی جاتے ہیں۔"

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.5 No.2 2022

بوڑھی دادی نے دل ہی دل میں سوچا اور کھلنڈرے پوتے کی طرف دیکھنے لگی۔ صبح صبح کام کا وقت ہوتا ہے مگر یہ بچہ کہنا نہیں سنتا، بس کھیلنے کی دھن سوار رہتی ہے اس پر۔

"دادی ٹھیک ہے؟"

اس کے میلے کچیلے ننھے پوتے نے گول چکر کے ارد گرد کے گھیرے پر لگے لال اور سبز پوسٹروں پہ نظر ڈال کر اجازت مانگی۔

"ٹھہر جا رے شیطان! تجھ سے اکیلے بھلا یہ کام کہاں ہو گا۔ میں بھی تیرے ساتھ لگوں گی تو کچھ بنے گا نا۔""

(۱۳)

انہیں پیٹ بھر کر کھانا خوبصورت جدید سہولتوں سے آراستہ رہائش، بہترین لباس مہیا کیا جاتا ہے۔ ان کی عسکری تربیت کرتے ہوئے جدید ہتھیاروں کے استعمال میں طاق کر دیا جاتا ہے۔ انہیں جذباتی طور پر اس قدر بے حس کر دیا جاتا ہے کہ اپنے ہی جیسے ننھے بچوں کو کافر سمجھتے ہوئے ان پر ظلم و تشدد کرتا ہوئے نہ ان کے ہاتھ کانپتے ہیں نہ ضمیر جھنجھوڑتا ہے۔ یہ موضوع جس قدر تلخ ہے اسی قدر خوبصورتی اور چابک دستی سے نیلم احمد نے اپنے افسانہ "اللہ کی زمین" میں بیان کیا ہے:

"چاچا ہمیں فٹ بال کھیلنا ہے۔۔۔ اسے لے جائیں؟" بچوں نے تازہ کٹے ہوئے سر کی طرف اشارہ کیا۔۔۔ بچے کافی دیر فٹ بال سے کھیلتے رہے۔ پھر تھک گئے۔ پہاڑوں میں اوپر نیچے بھاگتے بھاگتے ان کے کپڑے جوتے میلے ہو گئے جن پر اب کبھی کبھی خون لگا نظر آ رہا تھا۔ مگر خون بھی تو محض ایک رنگ ہی تھا۔ کبھی کبھی یہ سرخ سے سفید ہو جاتا ہے۔" (۱۴)

نیلم احمد بشیر نے افریقہ کی قحط سالی میں شکار بچوں پر بھی قلم اُٹھایا اور بھوک سے بلکتے، دم توڑتے، زندہ دفن ہوتے بچوں کی تصویریں نہایت مہارت سے صفحۂ قرطاس پر کھینچی ہیں۔ ان تصویروں کو پڑھنے سے روح لرزہ براندام ہو جاتی ہے۔ افسانہ "اثاثہ" میں صومالیہ کے ایک دور دراز گاؤں "حرف" میں پانی اور روٹی کو ترستے، تڑپتے، جاں بلب بچوں کو موضوع بنایا گیا ہے۔ افسانہ کی مرکزی کردار عمارہ اپنے شوہر والد اور چھ بچوں کے ساتھ حرف سے "دوداب" کی طرف قافلے کے ہمراہ محو سفر تھے جہاں اقوام متحدہ کی جانب سے متاثرین کے لیے کیمپ لگایا گیا تھا۔ مگر "دوداب" پہنچنے کے لیے انہیں چالیس دن کی مسافت طے کرتا تھی۔

بھوک پیاس سے نڈھال، آگ برساتے سورج کا قہر برداشت کرتے یہ لوگ محو سفر تھے۔ مگر یہ راستہ ان کے جگر گوشوں کے لیے پل صراط ثابت ہو رہا تھا کہ کئی ننھے پھول کمہلا کر پتی پتی ہوتے بکھر کر وجود کھو بیٹھے تھے۔

پانی "اثاثہ حیات" تھا اس کی ایک ایک بوند ہیرے سے بڑھ کر تھی۔ جاں بلب بچوں کی جان بچانے کے لیے بھی دو بوند سے زیادہ خرچ نہیں کی جا سکتی تھی کہ جو بچے ابھی زندہ تھے ان کی زندگی قائم رکھنے کے لیے اس کی اشد ضرورت تھی۔

"ننھی حمدہ اور ابو بکر میں چلنے کی سکت نظر نہ آتی تھی۔ کچھ ہی دیر میں دونوں بچے نڈھال ہو کر زمین پر گر گئے۔۔۔ ننھی حمدہ کا بھی سانسوں سے رشتہ ٹوٹ چکا تھا۔ وہ کسی بے جان گڑیا کی طرح ایک طرف کو لڑھک گئی تھی۔ ابو بکر اکھڑے اکھڑے سانس لے رہا تھا۔ جلیلہ نے اپنے شوہر کے ہاتھ سے پانی کی چھاگل کھینچ کر ابو بکر کے منہ میں چند قطرے ٹپکائے مگر وہ یونہی بے حس و حرکت رہا۔۔۔ ابو بکر نہ جیتا تھا نہ مرا تھا۔" (۱۵)

قافلے کا سفر جاری رکھنا ضروری تھا۔ اس لیے بہت سے دم توڑتے بچوں کو زندہ ہی ریت کے گڑھے کھود کر لٹا دیا گیا کہ ان کی جان نکلنے اور دفنانے پر وقت ضائع نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ایسے میں انہیں اللہ کے حوالے کر کے دوسروں کی جانوں کی فکر کرنا ہی بظاہر سفاک مگر دانش مندانہ فیصلہ تھا۔

ابو الحسن نے ابو بکر کو گود میں اُٹھایا تو قافلے میں سے ایک بولا "اسے اللہ کے سپرد کرو بھائی اور بس آگے چلو۔ اس کے حصے کا پانی کام آئے گا۔ ان جانوں پر ضائع نہ کرو جو عنقریب پھڑ پھڑا کر اپنے قفس سے آزاد ہو جائیں گی۔" ابو الحسن اور اس کی بیوی جلیلہ اپنے چار سالہ نیم مردہ پیارے ابو بکر کو صحرا کی تپتی گود میں لٹا کر آنسو بہاتے آگے بڑھ گئے۔ اس نیم جاں کی سوالیہ آنکھیں دیر تک ان کے حواس پر چھائی رہیں۔" (۱۶)

افسانہ میں معصوم بچوں کے اللہ کے وجود کے ہونے اور انہیں کھانا نہ دینے کے معصوم شکوؤں نے ان تلخ تصاویروں کی تلخی کو دوچند کر دیا ہے۔

""ابا اللہ میاں اوپر رہتا ہے نا۔" کوئی بچہ اپنے باپ سے پوچھ رہا تھا۔

"ہاں بیٹا، دعا کرو۔ اللہ مینہ برسائے اور ہمیں کھانا ملے۔" اس کے باپ نے بیٹے کو پچکارتے ہوئے کہا۔

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.5 No.2 2022

"بابا اللہ میاں ہمیں کھانا کیوں نہیں دیتا؟"

بیٹے نے پھر سوال کیا۔

"دے گا بیٹا ضرور دے گا۔ بس دُعا کرتے رہو۔" باپ نے ہولے سے کہا یوں جیسے اسے اپنی بات پہ خود بھی اعتبار نہ ہو۔" (۱۷)

مرکزی کردار کو نہیں معلوم کہ اپنے پانچ بچوں اور شریک حیات کو اس سفر میں یکے بعد دیگرے کھونے کے بعد وہ اپنی آخری امید اپنے چند ماہ کے موسیٰ کو بچا پائے گی کہ نہیں مگر وہ اپنی حیات کے اس آخری بچے ہوئے اثاثہ کو سینے سے لگائے اپنی تمام کوشش وسعی میں تھی۔

والدین کا آپسی تعلق بچوں کی نشوونما، کردار سازی اور نفسیات پر اَن مٹ اثرات ڈالتا ہے۔ والدین کا خوشگوار تعلق بچوں کی شخصیت کو مضبوطی اور استحکام بخشتا ہے ان کے اندر زندگی کی مشکلات اور کٹھنائیاں عبور کرنے کا حوصلہ، جرات مندی اور ثابت قدمی عطا کرتا ہے۔ وہیں والدین کی آپس کی ناچاقی، لڑائی جھگڑے ان کے اندر بغاوت، غم، غصہ، چڑچڑاپن اور منفی جذبات کو پروان چڑھانے کا باعث بنتا ہے۔ افسانہ "کہانیاں" کی چھ سالہ ننھی بچی ماں باپ کے ناخوشگوار تعلق کی بدولت متاثر ہو رہی ہے۔ اپنی ماں کو باپ سے مار کھاتے دیکھنا اس کے لیے اذیت ناک امر ہے۔ مگر رفتہ رفتہ اب وہ بے حسی کا شکار ہوتی جا رہی ہے کہ یہ سب تو روز کا معمول بن چکا ہے۔ ماں کا پٹنا اب اسے پہلے کی طرح خوف میں مبتلا نہیں کرتا کہ اب یہ روٹین کا معاملہ ہے۔ اب اس منظر نامہ کو نہ صرف دیکھنا بلکہ بیان کرنا بھی ایک عام سی بات ہے۔ اسی لیے جب ماں اپنی سہیلیوں کے سامنے اس سے پوچھتی ہے کہ تمھارے بابا مجھے کیسے مارتے ہیں تو وہ بغیر کسی ہچکچاہٹ کے ساری روداد سنا دیتی ہے۔

"بیٹا ان آنٹی کو بتاؤ تمہارے پاپا مجھے کیسے مارتے ہیں؟"

فرنیچر ڈیزائنر نے بیٹا سے سوال کیا۔

---"بابا آپ کو ڈنڈے سے مارتے ہیں۔" ننھی کہانی نے آئس کریم چاٹتے ہوئے جواب دیا۔"اور اس روز کچن میں کیسے مارا تھا؟" ماں نے پھر سوال کیا اور بیٹی کے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگی۔

"اس روز انھوں نے بال نوچے تھے آپ کے، دھکا دیا تھا اور پھر گرایا بھی تھا۔" ننھی کہانی آرام سے بولتی رہی اور آئس کریم چاٹتی گئی۔" (۱۸)

یہ حالات اس کے اندر ایک سرکشی اور بغاوت کو جنم دے رہے ہیں۔ وہ جانتی ہے کہ معاشرے کی دیگر عورتوں کی طرح اس کی قسمت بھی کم و بیش اس کی ماں کی طرح ہی ہو گی۔ اور اسے بھی شادی کے بعد اپنے میاں سے مار ہی کھانے کو ملے گی۔ مگر وہ اس ظلم و ستم کی روایت کے خلاف بغاوت کرنے کی خواہش مند ہے وہ ان کہانیاں بنتی سمجھوتے کا دامن پکڑے زندگی گزارتی عورتوں جیسی زندگی گزارنے کو تیار نہیں ہے۔ اپنی اس خواہش کا اظہار وہ اپنی ماں اور اس کی سہیلیوں کے سامنے نہایت نڈر انداز میں کرتی ہے اس انداز میں بھی اس کی معصومیت کی جھلک صاف نظر آتی ہے کہ آخر وہ ہے تو ایک چھوٹی سی بچی ہی۔

"مگر ماں میں آپ کو ابھی سے بتا دیتی ہوں جب میرا میاں مجھے مارے گا نا تو میں اس کا ہاتھ پکڑ لوں گی۔ مارنے نہیں دوں گی۔ مار سے تو بہت درد ہوتا ہے نا۔" (۱۹)

نیلم کی کہانیوں کا اسلوب سادہ اور رواں ہے مگر اس سادگی میں بھی قیامت چھپی ہوئی ہے۔ وہ مشکل، پیچیدہ اور کسی حد تک ممنوع موضوعات کو بغیر ڈرے اور جھجکے بیان کرتی چلی جاتی ہیں یہ نڈر انداز انہیں شاید اپنے والد سے ملا ہے۔ ان کے افسانوں کے کردار آپ کی روح کو جھنجھوڑ ڈالتے ہیں یہ مدتوں آپ کی یاداشت میں بکل مار کر بیٹھے رہتے ہیں۔

امجد اسلام امجد نیلم احمد بشیر کے افسانوں کے کرداروں کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"---اس کی کہانیوں کے مرکزی کردار بھی اس کے مشاہدے اور تجربے دونوں کا مجموعہ ہوتے ہیں اس لیے ان میں حقیقت اور مثالیت کا ایک انوکھا امتزاج نظر آتا ہے---وہ فکشن میں Reality کو اس طرح لے کر چلتی ہیں کہ کہانیاں اور کردار اپنے اپنے سے دکھائی دینے لگتے ہیں۔" (۲۰)

نیلم احمد بشیر نے اپنے افسانوں میں بچوں پر ڈھائے جانے والے مظالم کو نہایت عمدگی سے بیان کیا ہے۔ وہ معاشرے میں کس کس طرح بچوں کا استحصال کیا جاتا ہے، ان وجوہات، حالات اور واقعات کی تصویر کشی نہایت جرات مندی اور نڈر انداز سے کرتی ہیں۔ بچوں کی ذہنی و نفسیاتی صحت کو مشرقی و مغربی معاشرے میں پنپنے والے کون سے عوامل مجروح کرتے ہیں، غریب بچوں کے لیے غربت کس طرح ان کا جرم بنا کر ان کی زندگی اجیرن کر دی جاتی ہے۔ معاشرے میں بچوں کے ساتھ

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.5 No.2 2022

زیادتی، ان سے جبری مشقت لینا اور ان کا جذباتی، جسمانی اور نفسیاتی استحصال کی کہانیاں بیان کرتے ہوئے وہ ایک درد مند ماں کا روپ دھار لیتی ہیں۔ جس کے لیے ہر ملک اور ہر خطے کے بچے، معصوم بچے ہیں ایسے جیسے اس کی اپنی کوکھ سے جنے بچے۔ ان بچوں کے حق کے لیے آواز اُٹھانا اور ان کے حقوق کے لیے مسلسل جدوجہد کرنا، چاہے قلم کے ذریعے ہو یا سوشل میڈیا کے پلیٹ فارم پر وہ اپنا فرض سمجھتی ہیں اور کافی حد تک وہ اس میں کامیاب بھی ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ نیلم احمد بشیر، آپس کی بات، مشمولہ گلابوں والی گلی، لاہور، سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۸ء، ص:۱۰

۲۔ سعادت سعید، ڈاکٹر، جگنوؤں کے قافلے، مشمولہ جگنوؤں کے قافلے، لاہور، سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۸ء، ص:۹

۳۔ نیلم احمد بشیر، محافظ، مشمولہ

۴۔ سیتہ پال آنند، ڈاکٹر، ستمگر ستمبر: ایک جائزہ، مشمولہ الحمرا سالنامہ، جنوری ۲۰۱۵ء، ص:۲۲۵

۵۔ ایضاً، ص:۲۴۰

۶۔ نیلم احمد بشیر، شمیم اور نسیم، مشمولہ وحشت ہی سہی، لاہور، سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۸ء، ص:۶۳۲

۷۔ نیلم احمد بشیر، گلابوں والی گلی، مشمولہ گلابوں والی گلی، لاہور، سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۸ء، ص:۲۱۰

۸۔ ایضاً، ص:۱۱۱

۹۔ نیلم احمد بشیر، زر قوم، مشمولہ پیاملن، لاہور، سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۲۲ء، ص:۷۵۳

۱۰۔ ایضاً، ص:۷۵۴

۱۱۔ نیلم احمد بشیر، انتظار بہار، مشمولہ جگنوؤں کے قافلے، لاہور، سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۸ء، ص:۱۳۰

۱۲۔ نیلم احمد بشیر، کاغذ کے پرزے، مشمولہ جگنوؤں کے قافلے، لاہور، سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۸ء، ص:۱۶۷

۱۳۔ نیلم احمد بشیر، ہست نیست، مشمولہ وحشت ہی سہی، لاہور، سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۸ء، ص:۶۹۳

۱۴۔ نیلم احمد بشیر، اللہ کی زمین، مشمولہ لے سانس بھی آہستہ، لاہور، سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۸ء، ص:۴۱۱

۱۵۔ نیلم احمد بشیر، اثاثہ، مشمولہ لے سانس بھی آہستہ، لاہور، سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۸ء، ص:۷۰۷

۱۶۔ ایضاً، ص:۷۰۷

۱۷۔ ایضاً، ص:۷۰۸

۱۸۔ نیلم احمد بشیر، کہانیاں، مشمولہ ایک تھی ملکہ، لاہور، سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۸ء، ص:۵۵۷

۱۹۔ ایضاً، ص:۵۵۷

۲۰۔ امجد اسلام امجد، نیلم احمد بشیر کی کتاب "وحشت ہی سہی" کے بارے میں، مشمولہ وحشت ہی سہی، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۸ء، ص:۶